پاکستان میں امتیازی قوانین،
اسلامائزیشن اور مذہبی اقلیتیں

خالد محمود*

The article narrates the rights that were given to minorities at the time of independence. The speeches of the Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah gave minorities the status of equal citizen. After Quaid-i-Azam death the self-proclaimed defenders of Islam starting pushing minorities to the wall. The author mentions that first law minister was Joginder Nath Mandal who belonged to untouchable class of minorities; Zafarullah Khan was Pakistan first Foreign Minister who was from minority of Ahmedi sect. Mohammad Ali Jinnah through his practical action proved that Pakistan believes in equality of citizen. As long as a citizen is loyal to the country whether Muslim or non-Muslim, it is state duty to provide him/her all opportunities to progress and emancipation. Quaid-i-Azam untimely demise had a negative affect on minorities. They thought they were orphaned after the death of Muhammad Ali Jinnah.

The author has mention discriminations against minorities at the time of admissions in schools and in government jobs.

تعارف:

پاکستان اَز رُوئے دستور ایک اسلامی ریاست ہے جہاں آبادی کی واضح اکثریت مسلمان ہے۔ ہندو اور عیسائی پاکستان کی بڑی مذہبی اقلیتیں ہیں جبکہ چھوٹی اقلیتوں میں سکھ، پارسی، بہائی، بدھ اور دیگر شامل ہیں۔[1] پاکستان ۱۴؍اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے نتیجے میں وجود میں آیا۔ تحریکِ آزادی کے

---

* طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ مطالعہ پاکستان، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

دوران مسلم لیگ نے ہمیشہ یہی رویہ اختیار کیا کہ آزاد پاکستان میں غیر مسلم شہری مملکت کے دیگر شہریوں کے برابر ہوں گے اور مذہب اورنسل کی بنیاد پر ان میں کوئی تخصیص نہیں ہوگی۔ مسلم لیگ کا یہی مؤقف تھا جس کے پیشِ نظر بہت سے غیر مسلم حلقوں اور غیر مسلم دانشوروں نے مطالبہ ٔ پاکستان کی حمایت کرنے کا فیصلہ کیا۔ خود بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کو تحفظ دینے کی یقین دہانی کرائی اور انہیں مملکت کے اندر اکثریتی شہریوں کے برابر حقوق دینے کا وعدہ کیالیکن قیام پاکستان کے فوراً بعد چند مذہبی جماعتوں نے اسلام کی سربلندی کے نام پر مذہبی اقلیتوں کے خلاف صف آرائی اختیار کر لی اور جناح کی وفات کے بعداسلامی قوانین کے نام پر غیر مسلم شہریوں کے آئینی حقوق محدود کرنے کا سلسلہ چل نکلا جو ابھی تک جاری ہے۔

جناح اور اقلیتیں:

قائداعظم محمد علی جناح غیر مسلموں کوقدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، قیام پاکستان سے پہلے اور بعد میں جناح نے اقلیتوں کو تحفظ دینے کا وعدہ کیااور ان کے ساتھ مساوی سلوک کیا، جناح نے تمام شہریوں کو پاکستانی قرار دیا اور انہیں متحد رکھا۔ جناح نے روزِ اول سے ہی مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے جدا رکھا۔بانیٔ پاکستان نے احمدی رہنما چوہدری ظفرا للہ خان کو وزیر خارجہ اور اچھوت رہنما جوگندر ناتھ منڈل کو وزیر قانون بنا کر مذہب کی تفریق کوختم کرنے کا عملی مظاہرہ کیا۔ انہوں نے سکھوں کی طرف سے دی جانے والی قربانیوں کوبھی قدر کی نگاہ سے دیکھا اور انہیں پاکستان کے ساتھ شامل کرنے کی بھر پور کوشش کی۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے فرمایا کہ'پاکستان میں جو اقلیتیں ہیں ان کے جان ومال کی حفاظت کرتے رہیں گے او ران کے ساتھ انصاف کریں گے۔ ہم نہیں چاہتے کہ وہ پاکستان سے چلے جانے پر مجبور کر دیئے جائیں۔ جب تک یہ لوگ حکومت کے وفادار اور وفا کش رہیں گے ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کیا جائے گا جیسا کہ پاکستان کے اور شہریوں کے ساتھ۔' ۲ قائداعظم نے پاکستان میں غیر مسلموں کے جان و مال کو نہ صرف محفوظ قرار دیا بلکہ ان کی مشکلات دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس حوالے سے جنید قیصر کا کہنا ہے کہ تحریک آزادی کے دوران جناح نے جہاں کہیں بھی مسلمانوں کے حقوق کی بات کی وہاں مذہبی اقلیتوں کو تحفظ فراہم کرنے اوران کے لیے مذہبی آزادی یقینی بنانے کی بات بھی کی۔ بابائے قوم نے غیر مسلموں

کے لیے اقلیت کے بجائے 'شہری' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ جناح نے کہا تھا کہ مذہبی اقلیتوں کو پاکستان میں صرف تحفظ ہی فراہم نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے ساتھ زیادہ فراخ دلانہ رویہ اپنایا جائے گا۔[۳]

قائداعظم محمد علی جناح نے جولائی ۱۹۴۷ء میں واضح کر دیا تھا کہ ' اقلیتوں کا، خواہ وہ کسی بھی فرقے سے تعلق رکھتی ہوں، تحفظ کیا جائے گا۔ ان کا مذہب اور عقیدہ محفوظ رہے گا اور ان کو عبادت کی مکمل آزادی ہو گی۔ ان کے مذہب، طرزِ زندگی اور ثقافت کو پورا پورا تحفظ حاصل ہو گا۔ وہ بلا امتیاز، ہر اعتبار سے پاکستان کے معزز شہری ہوں گے۔'[۴] بانیٔ پاکستان نے ملک میں اقلیتوں کی آزادی کے حوالے سے ریاست کی پالیسی کو ۱۱ راگست ۱۹۴۷ء کی تقریر میں بیان فرما دیا تھا۔ آپ کا کہنا تھا کہ:

> آپ آزاد ہیں۔ آپ اس لیے آزاد ہیں کہ اپنے مندروں میں جائیں، آپ آزاد ہیں کہ اپنی مسجدوں میں جائیں یا پاکستان کی حدود میں اپنی کسی بھی عبادت گاہ میں جائیں۔----------۔ آپ یہ دیکھیں گے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہ رہے گا اور مسلمان مسلمان نہ رہے گا۔ مذہبی مفہوم میں نہیں کیونکہ یہ ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہے۔ بلکہ سیاسی مفہوم میں اس مملکت کے شہری کی حیثیت سے۔[۵]

جناح کی مندرجہ بالا تقریر پاکستان کی تاریخ میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ یہاں بابائے قوم کے الفاظ انتہائی قابل غور ہیں کیونکہ وہ پہلے غیر مسلم شہریوں سے مخاطب ہوئے کہ انھیں اپنے مندروں میں جانے کی آزادی ہے، پھر وہ مسلمانوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ آپ کو اپنی مساجد میں جانے کی آزادی ہے۔ یہاں انہوں نے واضح کر دیا کہ پاکستان میں نہ تو مذہب اور سیاست کو یکجا کیا جائے گا یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے یہاں ہر مذہب کے افراد کو تحفظ اور آزادی کے مواقع میسر ہیں۔ اور نہ ہی غیر مسلم شہریوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کی جائے گی۔ جناح کے یہ الفاظ کہ 'ہندو ہندو نہ رہے گا ور مسلمان مسلمان نہ رہے گا' اس بات کی وکالت کرتے ہیں کہ ریاست کی طرف سے تمام شہریوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا جس کے نتیجے میں ملک فلاحی ریاست بن جائے گا۔ جناح نے واضح کر دیا تھا کہ جو کچھ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ ہوا تھا، وہ پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ نہیں ہو گا بلکہ ریاست پاکستان میں اقلیتوں کے حقوق کا مکمل تحفظ کیا جائے گا۔ اس ضمن میں جارج پال کا کہنا ہے کہ سیکولر پاکستان کے حق میں قائداعظم کی آواز سب سے بھاری اور نمایاں ہے جو انھوں نے ۱۱ ر اگست ۱۹۴۷ء کو دستور

ساز اسمبلی میں اپنی تقریر کے دوران بلند کی۔ پال کے مطابق نظریہء پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ تھی اور اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں رہنے والے مسلمان، ہندو، عیسائی، سکھ اور دیگر غیر مسلم افراد ایک قوم ہیں جبکہ ہندوستان میں رہنے والے مسلمان، ہندو، عیسائی اور دیگر مذاہب سے تعلق رکھنے والے دوسری قوم ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم آج تک تقسیم در تقسیم ہوتے رہے اور ایک قوم نہیں بن سکے جس کا خواب بانی پاکستان نے دیکھا تھا۔٦

اس موضوع پر ڈاکٹر سید جعفر احمد لکھتے ہیں کہ بانیٔ پاکستان ریاست میں مذہبی جانب داری کی بجائے تمام شہریوں کے ساتھ مساوی سلوک کے خواہش مند تھے جس کا تذکرہ انھوں نے ۱۱ر اگست کی تقریر میں کیا تھا۔ لیکن پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی بعض مذہبی گروہوں اور سیاست دانوں نے پاکستان کو ایک جانب دار ریاست بنانے کا آغاز کردیا اور ملک میں شہریوں کو تقسیم کرنے کا عمل جاری رکھا۔ احمد کے مطابق جس طرح ہندوستان میں مسلمانوں کو اقلیت بنا کر رکھا گیا تھا اسی طرح پاکستان میں غیر مسلم شہریوں کو اقلیت بنا کر رکھا جا رہا ہے۔ ۷

قائداعظم محمد علی جناح نے اقلیتی رہنماؤں کو کلیدی عہدوں پر تعینات کیا تو ملک کے تمام غیر مسلم شہریوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ پاکستان ان کا بھی وطن ہے۔ ابتدائی ایام میں جب ملک میں انتہائی افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور ہزاروں مہاجرین شدید زخمی حالت میں پاکستان آ رہے تھے اس آڑے وقت میں مسیحی نرسوں نے اپنے گھروں کو چھوڑ کر مسلمان زخمیوں کی جس طرح خدمت کی اس جیسی کوئی اور مثال شاید ہی کہیں ملے۔ اسی طرح پارسیوں نے بھی تعداد میں بہت کم ہونے کے باوجود اپنے ہم وطنوں کی عظیم خدمت کی۔ احمد سلیم کے بقول پاکستان میں رہنے والی مٹھی بھر اقلیتوں کا اس قدر ملک کی خدمت کرنا، قائداعظم کی ذات پر مکمل اعتماد اور بھروسے کا عملی اظہار تھا۔ ۸

بانیٔ پاکستان ملک کو مثالی ریاست بنانے کے خواہش مند تھے لہٰذا وہ ملک میں تعصب کی بجائے رواداری اور امن کو فروغ دینا چاہتے تھے۔ قائداعظم کے نظریۂ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے انوار سیّد کا کہنا ہے کہ قائد اعظم محمد علی جناح کے نزدیک ریاست کا مقصد محض عوام پر حکمرانی کرنا نہیں ہے، جناح کے خیال میں ایک مثالی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ تمام شہریوں کو مساوی آزادی فراہم کرے اور شہریوں کو بہترین ماحول مہیا کرے جس کی بنیاد پر اچھے معاشرے کا وجود عمل میں آتا

ہے۔ حکومت کی یہ منصوبہ بندی ہونی چاہیے کہ عوام میں لڑائی جھگڑوں کی بجائے محبت، بھائی چارے اور باہمی تعاون کی فضا کو فروغ ملے، سماجی انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانااس سلسلے کی بنیادی کڑی ہے۔[۹]

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بانیٔ پاکستان رنگ، نسل، علاقے یامذہب کے اعتبار سے شہریوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے تھے اور ان کی نظر میں تمام شہری برابر تھے، انہوں نے متعدد بار اقلیتوں کو تحفظ کا یقین دلایا۔ جناح نے پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا اور تمام پاکستانیوں کو ایک قوم قرار دیا۔ جناح نے قیام پاکستان کے بعد ملک میں عوام کومتحد رکھنے کی کوشش کی اورتمام غیر مسلم شہریوں کو پاکستان میں دیگر شہریوں کے مساوی قرار دیا۔ جناح نے ملک میں مذہب اور سیاست کو الگ رکھنے کی بات اس لیے کی کہ انہیں قومی دھارے میں شامل کیاجاسکے اور مذہبی بنیادوں پر اقلیتی شہریوں کو ان کے حقوق سے محروم نہ کیا جائے۔

مذہبی رہنما اور اقلیتیں:

بانیٔ پاکستان نے ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ انہوں نے ہمیشہ یہ موقف اختیار کیا کہ اقلیتوں کو پاکستان کے دیگر شہریوں کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ اگرچہ تحریک آزادی کے دوران ہندوستان کے متعدد مذہبی رہنماؤں نے تقسیمِ ہند کی مخالفت کی تھی لیکن قیام پاکستان کے بعدان رہنماؤں نے ایک نئی سیاست کا آغاز کیا اور ملک کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ ان مذہبی رہنماؤں نے اقلیتوں کوکلیدی عہدوں پر فائز کرنے کی مخالفت کی اور ملک میں اسلامی قوانین رائج کرنے پر زور دیا۔ اس طرح غیر مسلم شہریوں کو اکثریتی طبقے کی جانب سے دباؤ کا سامنا کرناپڑا کیونکہ وہ اب تک یہی سمجھ رہے تھے کہ پاکستان ایک سیکولر ریاست ہوگی۔ اس کے برعکس مذہبی رہنما چاہتے تھے کہ پاکستان کو ایک مذہبی ریاست قرار دے کر ملک میں اسلامی قوانین کو رائج کیا جائے۔ اس بات میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ بانیٔ پاکستان تمام پاکستانیوں کے رہنما تھے اور ان کی نظر میں بلاامتیازِ مذہب سب برابر تھے لیکن علماء نے جناح کوصرف مسلمانوں کا رہنماقرار دے کر انہیں اسلام کا ہیروبنانے کی کوشش کی۔ مذہبی رہنماؤں کا یہ بھی کہنا تھا کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے لہٰذا یہاں کی مذہبی اقلیتوں سے جزیہ لیاجائے۔[۱۰] جمیعت العلمائے اسلام کے رہنما علامہ شبیر احمد عثمانی نے ڈھاکہ میں ایک اجلاس کی صدارت کرتے

ہوئے کہا کہ ملک میں دستور سازی کے کام میں سست روی کا مظاہرہ کیا جارہا ہے جب کہ عوام جلد از جلد اس کام کی تکمیل کے خواہش مند ہیں۔انہوں نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا تھا کہ ملک میں شرعی قوانین اور اسلامی اصولوں کے مطابق آئین سازی کی جائے ورنہ پاکستان زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہ سکے گا۔[۱۱] دوسری جانب برسر اقتدار طبقہ مغربیت سے متاثر تھا وہ ملک کو سیکولر ریاست بنانے کا حامی تھا، وہ سمجھتے تھے کہ پاکستان میں رہنے والے تمام لوگ پاکستانی ہیں اور اقلیتیں پاکستان کا حصہ ہیں۔ اس گروہ میں اس وقت کے وزیر خزانہ غلام محمد صفِ اوّل میں دیکھے جا رہے تھے۔ کم از کم وہ قائداعظم کے اس نظریئے کے محافظ ضرور تھے کہ' وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نہ ہندو ہندو رہے گا نہ مسلمان،مسلمان'۔ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں سندھ کے ہندوؤں سے ایک ملاقات کے دوران وزیر خزانہ غلام محمد نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان مذہبی ریاست نہیں ہے بلکہ یہ ایک سیکولر اور جمہوری ریاست ہے جہاں تمام شہریوں کو مساوی حقوق حاصل ہیں لہٰذا تم سب غیر مسلموں کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو کہ قائداعظم محمد علی جناح کو ہیں۔[۱۲]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ بانیٔ پاکستان ملک کو خالص مذہبی ریاست نہیں بنانے چاہتے تھے بلکہ وہ اسے فلاحی ریاست کی صورت میں دنیا کے نقشے پر دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس کے باوجود مذہبی رہنما جو قیام پاکستان سے قبل جناح پر کفر کے فتوے لگاتے رہے تھے اب وہی لوگ بانیٔ پاکستان کو امیر المومنین قرار دے کر غیر مسلم شہریوں سے جزیہ وصول کرنے کی رائے پیش کرنے لگے تھے۔

جناح کے بعد اقلیتوں کے مسائل :

پاکستان کے غیر مسلم شہریوں نے اس وقت پاکستان کی بھر پور مدد کی جب ملک کو ان کی ضرورت تھی۔ بلاشبہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے لیکن انہوں نے اپنا سب کچھ ملک کی خاطر قربان کر دیا۔ اگرچہ جناح کی زندگی میں ہی پاکستان کے مذہبی رہنماؤں نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا اور جناح کو صرف مسلمانوں کا قائد بنا کر پیش کیا جارہا تھا تاہم جناح کی وفات کے بعد ملک میں صورت حال یکسر تبدیل ہوگئی۔ اس ضمن میں احمد سلیم اور ڈاکٹر سید جعفر احمد کا کہنا ہے کہ جناح کی وفات کے بعد پاکستان میں فرقہ وارانہ سیاست کا باقاعدہ آغاز ہوگیا۔ ملک کے دساتیر میں مذہبی عنصر کو نمایاں کیا گیا، قوم کو مذہب کے نام پر تقسیم در تقسیم کرنے کا عمل جاری رکھا

گیا، اقلیتوں کو بنیادی انسانی حقوق سے عملاً محروم رکھا گیا اور ان کے لیے سماجی و سیاسی لحاظ سے آگے بڑھنے کے مواقع محدود کردیئے گئے۔۱۳

جناح کی وفات کو متعدد مصنفین نے اقلیتوں کے لیے بہت بڑا نقصان قرار دیا ہے۔ جناح کی موت کے بعد اقلیتوں کے سر سے ایک حقیقی ہمدرد اور شفیق ساتھی کا سایہ اٹھ گیا اور انہیں بہت بڑے صدمے کا سامنا کرنا پڑا۔ جناح نے غیرمسلم شہریوں کے جان و مال کو مسلم شہریوں کے جان و مال کی طرح مقدس سمجھا تھا لیکن جناح کی وفات کے بعد ان کے فرامین اور فلاحی ریاست کے اُن کے تصور کو بھلا دیا گیا جس کے سبب ملک کی مذہبی اقلیتوں پر منفی اثرات مرتب ہوئے۔ بابائے قوم کی موت پاکستان میں رہنے والی مذہبی اقلیتوں کے لیے ایک بہت بڑے سانحہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس ضمن میں سلامت اختر کہتے ہیں کہ جناح کی وفات کے موقع پر مسیحی رہنما اور جناح کے قریبی ساتھی دیوان بہادر ایس پی سنگھایہ کہتے ہوئے سکتے میں آ گئے کہ اقلیتیں یتیم ہو گئی ہیں۔۱۴ سلامت اختر اور اختر حسین بلوچ کا کہنا ہے کہ جناح کی ۱۱ ر اگست کی تقریر کے ساتھ ہی مفاد پرست ٹولے نے قائداعظم کی مخالفت کا فیصلہ کر لیا تھااور جلد ہی چوہدری محمد علی کا گھر بنیاد پرستوں کا اڈہ بن گیااور انہوں نے سرظفر اللہ خان اور منڈل کے خلاف سازشوں کا جال بچھایا، وہ منڈل جنہوں نے اپنے ہم مذہب رہنماؤں کی شدید مخالفت مول لے کر ہر کڑے وقت میں جناح کا ساتھ دیا اب اُن کی توہین کی جا نے لگی جس کے نتیجے میں منڈل نے احتجاج کیا اور بالآخر مستعفی ہو کر بھارت چلا گیا۔۱۵ اس کے برعکس پاکستان کے سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی کا کہنا ہے کہ آزادی کے فوراً بعد مسلم لیگ پاکستان میں واحد سیاسی جماعت تھی جسے تمام اقلیتی طبقات کی بھر پور حمایت حاصل تھی۔ ہندو، عیسائی، سکھ، بدھ اور پارسی سب ہی اس میں شامل تھے۔ مسلم لیگ کے اہم ترین رہنما قائداعظم محمد علی جناح تھے اور وہ اپنی تمام تر توجہ پاکستان کے قیام اور اس کے مسائل پر مرکوز کیے ہوئے تھے۔ یہ وہ وقت تھاجب پاکستان کے سیاست دانوں کی سیاسی رہنمائی اوران کی ذہنی تربیت کی ضرورت تھی لیکن جناح ان کی ذہنی تربیت نہ کر سکے یہی وجہ ہے کہ یہاں کے سیاست دانوں کا واحد مقصد حصول اقتدار بن گیا۔۱۶

جنید قیصر کہتے ہیں کہ جناح نے کئی مواقع پر اقلیتوں کو ان کے حقوق کے تحفظ کی یقین دہانی کرائی تھی۔ پاکستان کے قیام کے بعد یہاں کے ہندو ارکان اسمبلی نے انتہائی تعمیری انداز میں حزب

اختلاف کا کردار ادا کیالیکن اس کے باوجود انہیں نظر انداز کیا گیا۔ مصنف کے خیال میں جناح کی زندگی میں ہی پاکستان کے مذہبی رہنماؤں نے فرقہ وارانہ سیاست کا آغاز کردیا تھالیکن جناح کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد پاکستان میں اقلیتوں کے ساتھ گھناؤنا رویہ اختیار کیا گیا۔ وہ اقلیتی طبقات جنہوں نے اپنا سب کچھ پاکستان کی خاطر قربان کیا پاکستانی معاشرے میں انہیں پسماندگی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ یہ لوگ ملازمتوں سے محروم رہے، تعلیمی لحاظ سے آگے بڑھنا تو درکنار، ان کے اپنے ہی ادارے ان سے چھین لیے گئے، وہ سماجی عدم تحفظ کا شکار ہوئے، ان کی عبادت گاہوں پر حملے ہوتے رہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، آج بھی دنیا کے کسی حصے میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی سانحہ پیش آتا ہے تو اس کا انتقام پاکستان کی اقلیتوں سے لیا جاتا ہے جیسا کہ بھارت میں بابری مسجد کی شہادت کے بعد پاکستان میں ہندوؤں کا جینا مشکل اور مرنا آسان بنا دیا گیا۔[۱۷]

درج بالا حقائق کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ بانیٔ پاکستان نے ملک میں تمام شہریوں کے ساتھ عملی طور پر مساوی سلوک کیا لیکن جناح کی وفات کے بعد سیاستدانوں اور مذہبی رہنماؤں نے اپنے مفادات کی خاطر ملک کے شہریوں کو مسلم اور غیر مسلم دو گروہوں میں تقسیم کردیا۔ پاکستان کی مذہبی اقلیتوں نے بھی ملک کی خاطر ان گنت قربانیاں دیں اور قومی دھارے کا حصہ بن کر رہنے کو ترجیح دی لیکن اس کے باوجود انہیں عملی اعتبار سے دوسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا جس کے سبب غیر مسلم شہری ابھی بھی متعدد سماجی و سیاسی مسائل کا شکار ہیں۔

قراردادِ مقاصد:

قرار دادِ مقاصد دستورسازی کے حوالے سے پاکستان میں تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ پاکستان کے اس وقت کے وزیرِاعظم لیاقت علی خانؒ نے ۷ مارچ ۱۹۴۹ء کو یہ قرارداد اسمبلی میں بحث کے لیے پیش کی جسے چند روز بعد ۱۲ مارچ کو منظور کر لیا گیا۔ قراردادِ مقاصد کو دستور سازی کے لیے ایک ڈھانچے کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ قرارداد اس لیے بھی انتہائی اہم دستاویز ہے کیونکہ اس وقت بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی وفات کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ قراردادِ مقاصد کی منظوری سے قبل دستور ساز اسمبلی میں ہونے والی بحث خاص طور پر اہمیت کی حامل ہے۔ قرارداد پر بحث کرتے ہوئے غیر مسلم ارکان اسمبلی نے اس کی شدید مخالفت کی۔ ان کا خدشہ تھا کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد

غیر مسلم دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ جائیں گے۔ قراردادِ مقاصد پیش کرتے ہوئے 'وزیر اعظم نے اقلیتوں کو یقین دلایا کہ مملکت پاکستان میں اُن کا مستقبل محفوظ ہے۔ انہیں اسلامی مملکت میں ترقی کے پورے مواقع حاصل ہوں گے۔ جب ہند پر مسلمانوں کی حکومت تھی غیر مسلموں سے بہترین سلوک کیا گیا۔ تاریخ اسلام میں کبھی غیر مسلموں سے بدسلوکی نہیں کی گئی'۔ [۱۸]

قراردادِ مقاصد پر اپنے خدشات کا اظہار کرتے ہوئے حزب اختلاف کے رہنما چٹوپادھیہ نے کہا کہ قیام پاکستان کے ۱۸ ماہ بعد قرارداد پیش کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اُن کا کہنا تھا کہ 'میرا خیال تھا کہ پاکستان کا آئین مساوات، جمہوریت اور سوشل انصاف کے قدرتی اصولوں پر بنے گا۔ ہمارا خیال تھا کہ مذہب اور سیاست کو نہیں ملایا جائے گا۔ قائداعظم نے اسی ایوان میں یہی اعلان کیا تھا لیکن ہمارے پیش نظر جو قرارداد ہے اس کی بنا مذہب ہے'۔ [۱۹] قرار دادِ مقاصد پر اختلاف کے سبب حزب اختلاف نے ۱۹ ترامیم پیش کیں۔ ایک ترمیم کے تحت قرارداد سے اس پیراگراف کو حذف کرنے کی سفارش کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ 'ساری کائنات کی سرداری صرف اللہ کے لیے ہے'۔ جبکہ ایک اور ترمیم کے ذریعے قرارداد میں ان الفاظ کو شامل کرنے کی درخواست کی گئی تھی کہ سارے اختیارات کے مالک عوام ہیں۔[۲۰] مسیحیوں کی نمائندہ جماعت پاکستان جوائنٹ کرسچین بورڈ کا موقف تھا کہ پاکستان میں عیسائیوں کے حقوق کا تحفظ صرف اور صرف مسیحی نمائندوں کے ہاتھوں ہو سکتا ہے۔[۲۱] قراردادِ مقاصد پر جو بحث و مباحثے ہوئے ان کے مطابق بی۔ کے۔ دتہ کا کہنا تھا کہ 'سیاست کا تعلق عقل سے ہے لیکن آپ اسے مذہب کے ساتھ گڈ مڈ کر رہے ہیں'۔[۲۲] اس کے برعکس روزنامہ 'جنگ' کے ایڈیٹوریل نے قراردادِ مقاصد کو اسلام کا تاریخی کارنامہ قرار دیا تھا۔[۲۳] دوسری جانب جماعت اسلامی نے اپنی مجلس شوریٰ میں ایک قرارداد پیش کی جس میں یہ کہتے ہوئے قراردادِ مقاصد پیش کرنے والوں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ اس قرارداد میں پاکستان کے اسلامی ہونے کا اعلان واضح اور دوٹوک الفاظ میں نہیں کیا گیا بلکہ غیر مسلموں کے غلبے اور ان کے اثرو رسوخ کے سبب ڈھکے چھپے الفاظ میں اس کا اظہار کیا گیا ہے۔[۲۴]

لیاقت علی خان نے اسلامی تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے درست کہا تھا کہ مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں کبھی بھی غیر مسلموں کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا لیکن وہ یہ بات نہ سمجھ سکے کہ آنے

والے وقت میں اسی قرارداد کو بنیاد بنا کر اقلیتی شہریوں کے لیے پاکستان میں رہنادشوار بنا دیاجائے گا۔ غیرمسلم ارکان کا یہ خدشہ بعد میں درست ثابت ہوا۔ بعدازاں پاکستان میں دستور سازی کے لیے مذہب کے نام کو استعمال کیاگیا، سیاسی جماعتوں نے بھی اپنے منشور پر مذہب کا لیبل لگایا، اقلیتوں کے لیے جدا گانہ انتخابات کا نظام رائج کیاگیا اورانہیں قومی دھارے سے کاٹ کر معاشرے کے دیگر ارکان سے علیحدہ کر دیاگیا۔ اس ضمن میں آئن ٹالبوٹ کا کہنا ہے کہ 'قرارداد میں شامل کیے جانے والے اصولوں میں جمہوریت، عدلیہ کی خود مختاری، آزادی، مساوات، رواداری، اسلام کا سماجی انصاف، اقلیتوں کے حقوق (مذہبی وثقافتی آزادی) شامل تھے۔ لیکن ان اصولوں میں سے زیادہ تر کااحترام کرنے کی بجائے ان کی خلاف ورزی ہی دیکھنے میں آئی۔' [۲۵] احمد سلیم کے مطابق قراردادِ مقاصد کی مخالفت کرنے والے غیرمسلم ارکان کا خیال تھا کہ اگر یہ قرارداد منظور ہوگئی تو غیرمسلم پاکستا نیو ں کی حیثیت ملک میں لکڑہاروں اور ماشکیوں کی سی رہ جائے گی اوروہ دوسرے درجے کے شہری بن جائیں گے۔ [۲۶]

قراردادِمقاصد پر بحث کرتے ہوئے فادرفرانسس ندیم، جنید قیصراور آفتاب الیگزنڈر مغل کہتے ہیں کہ قائد اعظم کی وفات کے بعد ایک مخصوص طبقہ حرکت میں آگیا جو جناح کی زندگی میں غیر متحرک تھا۔ یہ وہ طبقہ تھا جس نے قرارداد ِمقاصد منظور کروا کے فرقہ وارانہ سیاست کے راستے ہموار کیے اور قوم کوتقسیم کرنے کے عمل کا آغاز کیا۔ لیاقت علی خان کی سرپرستی میں منظور ہوئے والی اس قرارداد سے پاکستانی شہری مسلم اور غیرمسلم دو الگ الگ خانوں میں تقسیم ہو گئے اور اس قرارداد کے بعد ملک میں اقلیتوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا گیا، اس قرارداد کا منطقی انجام حدودآرڈی نینس کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ [۲۷] آفتاب الیگزنڈر مغل کے بقول قرارداد کی مخالفت میں اقلیتوں کا ساتھ دینے والے واحد مسلمان رہنمامیاں افتخار الدین تھے لیکن یہ بات قابل افسوس ہے کہ اس موقع پر مسیحی رہنماؤں نے جو بحث کی اسے تاریخ میں محفوظ نہ کر کے مسیحیوں کے ساتھ زیادتی کی گئی۔ [۲۸]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ قراردادِ مقاصد کی منظوری کے وقت لیاقت علی خان نے اقلیتی رہنماؤں کو مطمئن کرنے کی کوشش تو کی لیکن اس قرارداد پر ہونے والی بحث کے دوران اقلیتی نمائندوں نے جن خیالات کا اظہار کیاان پر غوروفکر نہیں کیا گیا۔ قراردادِ مقاصد میں اقلیتی شہریوں کے لیے جو حقوق تفویض کیے گئے عملی طور پر وہ بھی انہیں نہ مل سکے۔

بنیادی اصولوں کی کمیٹی:

قراردادِ مقاصد منظور ہونے سے یہ بات طے ہوگئی کہ ملک میں اسلامی قوانین کے مطابق دستور سازی کی جائے گی۔ اس مقصد کے لیے فوری طور پر بنیادی اصولوں کی کمیٹی تشکیل دی گئی اور اس کی معاونت و مشاورت کے لیے ممتاز عالم دین سید سلیمان ندوی کی زیر نگرانی ایک خصوصی کمیٹی بنائی گئی جس کا نام بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ رکھا گیا تھا۔ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے حوالے سے ڈاکٹر محمد امین کا کہنا ہے کہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ آنے پر اسے تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ اس کمیٹی کی مرتب کردہ تجاویز سیکولر نظریات کی حمایت میں تھیں اور مذکورہ کمیٹی نے بورڈ آف تعلیمات اسلامیہ سے مناسب مشاورت نہیں کی تھی لہٰذا یہ رپورٹ مسترد کر دی گئی۔ اسی عرصہ میں علماء نے اپنے ۲۲ مطالبات پیش کر دیئے جن کا مقصد یہ تھا کہ تمام قوانین قرآن و سنت کی روشنی میں مرتب کر کے اسلامی تعلیمات کے فروغ کے لیے کوششیں کی جائیں۔ چونکہ مذکورہ کمیٹی نے اپنی دوسری رپورٹ میں علماء کے ان مطالبات کو شامل کیا لہٰذا دوسری رپورٹ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ مصنف نے اس وقت کے گورنر جنرل کو سیکولر نظریات کا حامی قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ گورنر جنرل نے کابینہ توڑ کر خواجہ ناظم الدین کی جگہ محمد علی بوگرہ کو نیا وزیر اعظم تعینات کیا اور بعد میں ایک بار پھر گورنر جنرل نے کابینہ اور دستور ساز اسمبلی دونوں کو توڑ دیا، اس طرح بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی رپورٹ سرد خانے کی نظر ہو گئی۔[۲۹] احمد سلیم کا کہنا ہے کہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی قائم ہوئی تو اس میں چند اقلیتی نمائندے بھی شامل کیے گئے لیکن اس کمیٹی کے سب سے پہلے فیصلے کے تحت اسلامی تعلیمات کا بورڈ تشکیل دیا گیا۔ اس ضمن میں مصنف نے بیگم شاہنواز کا اعتراض نقل کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ چونکہ پاکستان میں لیاقت علی خان کی کوئی سیاسی بنیاد نہیں تھی لہٰذا انہوں نے مفاد پرستوں کا ساتھ دیا۔ کچھ ہی عرصے بعد لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا تو خواجہ ناظم الدین نے اس کمیٹی کو متحرک کیا۔ مصنف کا کہنا ہے کہ بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی سفارشات سے اسلامی رنگ نمایاں تھا۔ اس کمیٹی نے کسی غیر مسلم کو ملک کا سربراہ نہ بنانے کی سفارش کر کے غیر مسلموں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا حالانکہ لیاقت علی خان نے قراردادِ مقاصد پر بحث کرتے ہوئے اس بات کی تردید کی تھی کہ صرف مسلمان ہی ملک کا سربراہ بن سکتا ہے۔[۳۰]

بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اگرچہ اپنی پہلی رپورٹ میں اسلامی تعلیمات پر بہت زیادہ زور نہیں دیا تھا لیکن اس بات کی سفارش کی گئی کہ سربراہِ مملکت کے لیے مسلمان ہونا ضروری ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ابھی قراردادِ مقاصد کو منظور ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا جس میں لیاقت علی خان نے واضح کیا تھا کہ غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا اور لیاقت علی خان نے اقلیتوں کے ساتھ مسلمانو ں کی طرف سے روا رکھے گئے تاریخی سلوک کی وضاحت کی تھی لیکن اب ماحول بالکل تبدیل ہو چکا تھا اور غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی رویہ سامنے آ رہا تھا۔ اس کمیٹی کی دوسری رپورٹ کو ملک بھر کی مذہبی جماعتوں کی طرف سے جانب سے سراہا گیا کیونکہ اس میں مذہبی رہنماؤں کی تجاویز کو تسلیم کیا گیا تھا۔[۳۱]

۱۹۵۶ء کا آئین اور اقلیتیں

پاکستان میں آئین سازی کا عمل سست روی کا شکار رہا اور ۹ سال کا طویل عرصہ بیت جانے کے بعد پہلا دستور ۱۹۵۶ء میں تیار ہوا۔ دستور کے مطابق غیر مسلم شہریوں کو اپنے اپنے مذاہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی لیکن حقائق سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف آئین کی حد تک تھا۔ عملی طور پر غیر مسلم دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ گئے جیسا کہ قراردادِ مقاصد پر ہونے والی بحث میں غیر مسلم ارکان اسمبلی نے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ اب ریاست کو دستور کی رو سے اسلامی ملک قرار دیا گیا اور غیر مسلموں سے کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کا حق چھین لیا گیا۔ اس طرح ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دینے کے بعد پاکستانی معاشرہ مسلم اور غیر مسلم کی بنیاد پر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ احمد سلیم نے دستور پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آئین بنانے والے اس بات کو بھول چکے تھے کہ اس ملک میں غیر مسلم بھی رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دستور بناتے وقت ملک میں موجود غیر مسلم آبادی کو یکسر نظر انداز کیا گیا نیز دستور سازوں کو اس بات کا بھی احساس نہیں تھا کہ مذہب انسانوں کے لیے ہوتا ہے، ریاست کے لیے نہیں۔[۳۲] سلیم کے برعکس ڈاکٹر محمد امین کا کہنا ہے کہ پاکستان کے ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا اور صدر کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے لیے ایک اسلامی تحقیقی ادارہ قائم کریں گے۔ ملک کی قومی و صوبائی اسمبلیوں کی رہنمائی کے لیے صدر نے ایک سال کے اندر ایک کمیشن کا قیام عمل میں لانا تھا لیکن نہ تو یہ کمیشن بنا اور نہ ہی اسلامی تحقیقی ادارے کا قیام عمل میں آیا۔ اگرچہ اس عرصے میں قانون سازی تو ہوئی لیکن

اکثر بل بحث کیے بغیر ہی منظور ہوئے۔ عجلت میں منظور ہونے والے ان قوانین کی کوئی افادیت باقی نہ رہی اور اسلامائزیشن کا عمل سست روی کا شکار رہا۔[۳۳]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان کا پہلا دستور قراردادِ مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے تیار کیا گیا اور اس دستور کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملک میں کوئی بھی غیر اسلامی قانون نہیں بنایا جائے گا۔ اگرچہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں قوانین بنائے جاتے رہے لیکن مجموعی طور پر اسلامائزیشن کا عمل سست رہا، اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی بڑی تعداد موجود تھی اور اسمبلی میں غیر مسلم ارکان بھی خاصی تعداد میں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قوانین کا خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہوا جس کے نتیجے میں نہ تو ملک میں جمہوریت کو فروغ مل سکا اور نہ ہی اسلامی تعلیمات کو۔ دستور کے مطابق کوئی بھی غیر مسلم شہری صدر ہونے کے لیے اہلیت نہیں رکھتا تھا۔ مذہب کی بنیاد پر رکھی جانے والی یہ شرط جمہوریت کی روح کے منافی تھی۔

۱۹۶۲ء کا آئین اور اقلیتیں :

۱۹۶۲ء کے آئین کے تحت ملک کو جمہوریہ پاکستان قرار دیا گیا لیکن مذہبی حلقوں کے احتجاج پر حکومت نے مجبور ہو کر ایک مرتبہ پھر ملک کو اسلامی جمہوریہ قرار دے دیا۔ گزشتہ دستور کی طرح اس دستور میں بھی ملک کا صدر بننے کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔ احمد سلیم کے مطابق گزشتہ دستور کی طرح اس میں بھی قراردادِ مقاصد کو شامل کیا گیا تھا تاہم اقلیتوں اور پسماندہ طبقات کے حقوق کے تحفظ کی خاطر اقدامات کرنے کا تذکرہ بھی کر دیا گیا جس کے باعث فرقہ واریت کے خاتمے اور اقلیتوں کے تحفظات کی امید کی جا سکتی تھی۔[۳۴] ایوب دور پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد امین نے لکھا ہے کہ ۱۹۶۱ء میں 'مسلم فیملی لاء آرڈیننس' جاری کیا گیا جس میں قرآن وسنت کی تعلیمات سے انحراف کیا گیا اور 'اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ' کا قیام عمل میں لا کر ڈاکٹر فضل الرحمان کو اس کا سربراہ بنایا گیا۔[۳۵]

اگر ۱۹۶۲ء کے دستور کا گزشتہ دستور سے موازنہ کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس دستور میں اسلامائزیشن پر کم توجہ دی گئی تھی۔ ایوب حکومت کی بنیاد مارشل لاء پر تھی لہٰذا اس عرصے میں علماء کو حکومتی افعال میں اس طریقے سے شامل نہ کیا گیا جیسا کہ گزشتہ جمہوری ادوار میں انہیں اہمیت دی جا رہی تھی۔

۱۹۷۳ء کا آئین اور اقلیتیں :

گزشتہ دساتیر کی طرح اس آئین میں بھی ملک کو اسلامی جمہوریہ قرارد یا گیا ہے لیکن پہلی مرتبہ ملک کے لیے سرکاری مذہب بھی منتخب کیا گیا۔ اب دستور کے مطابق صرف صدر کا مسلمان ہونا ضروری ہے لیکن وزیراعظم سمیت دیگر کلیدی عہدوں کے لیے جو حلف لازمی قرارد یا گیا وہ الفاظ صرف مسلمان ہی بول سکتا ہے لہٰذا عملی طور پر کوئی بھی غیر مسلم نہ تو صدر بن سکتا ہے اور نہ ہی وزیر اعظم۔[۳۶] تاہم دستور میں مذہبی اقلیتوں کو ان کے بنیادی حقوق کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ آئین کی رو سے انہیں اپنی مذہبی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید جعفر احمد کا کہنا ہے کہ دستور میں چند ایسی شقیں بھی شامل کی گئی ہیں جو اقلیتوں کے حقوق از خود محدود کردیتی ہیں۔ خاص طور پر آئین میں وضاحت کر دی گئی ہے کہ صرف مسلمان ہی ملک کا صدر بن سکے گا۔ اگر کوئی ریاست اپنے لیے ایک مذہب بھی متعین کر لے تو ایسی صورت میں تمام شہریوں کے ساتھ مساوی سلوک نہیں ہو سکتا۔ مصنف کے مطابق دستور میں پہلی مرتبہ اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دے کر ملکی قوانین کو ایک خاص سمت میں تیار کرنے کی راہ ہموار کر دی گئی ہے۔[۳۷]

احمد سلیم نے اقلیتوں کے لیے ریاستی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان کے دستور میں ہر شہری کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کا حق دیا گیا جو ایک احسن عمل ہے لیکن پاکستانی معاشرے میں مذہبی اقلیتوں کی طرف عدم رواداری کے رویّہ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ملک کے آئین میں اس بات کا تحفظ دیا گیا ہے کہ تعلیمی اداروں میں کسی طالب علم کو کسی دوسرے مذہب کی تعلیم حاصل کرنے کا پابند نہیں کیا جائے گا لیکن پاکستان میں اقلیتی طلبہ کو جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں ان میں اقلیتی مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کو منفی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں داخلے کا حصول اقلیتی طلبہ کے لیے انتہائی پریشان کن معاملہ ہے۔ سلیم کے مطابق دستور میں ہر شہری کو عام تفریح گاہوں میں بلا امتیاز گھومنے پھرنے کی آزادی دی گئی ہے لیکن صورت حال عملی طور پر اس کے برعکس ہے۔[۳۸] جاوید ولیم کا کہنا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۳ء میں ملک میں ایک نیا دستور نافذ کیا تو ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا اور پہلی مرتبہ اسلام کو ریاست

کا سرکاری مذہب تسلیم کیا۔ ولیم کے بقول اگلے سال احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے کر ملک میں مذہبی اقلیتوں کے لیے مسائل میں اضافہ کر دیا گیا، ۱۹۷۷ء میں شراب نوشی پر پابندی لگائی گئی تو اتوار کی ہفتہ وار چھٹی بند کر کے جمعہ کے روز تعطیل کا اعلان کیا گیا اس کے باوجود بھٹو کی یہ اسلامی اصلاحات اس کی حکومت کو نہ بچا سکیں۔[۳۹] اتوار کا روز مسیحیوں کے لیے جب کہ جمعہ کا دن مسلمانوں کی عبادت کے لیے مذہبی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اتوار کی جگہ جمعہ کی تعطیل کرنا اسلامائزیشن کے عمل کا حصہ کہا جا سکتا ہے۔

محبوب صدا کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں ریاست کا مذہب اسلام قرار دیا گیا جو کہ اقلیتوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی تھی کیونکہ جس حکمران کا جی چاہا اس نے اپنے تحفظ کی خاطر اسلام کو استعمال کیا۔ خاص طور پر بھٹو اور ضیاء دونوں نے ایسے قوانین بنائے جن کی وجہ سے اقلیتوں کو آج تک سزا بھگتنا پڑ رہی ہے۔ اگرچہ جناح کی ۱۱ ر اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر ہماری شناخت ہے اور ہمیں تحفظ دیتی ہے۔ لیکن جناح کی وفات کے بعد ہم عدم تحفظ کا شکار ہوئے اور افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے کبھی بھی اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے آواز تک نہ اٹھائی۔[۴۰]

احمد، سلیم، ولیم اور صدا کے برعکس ڈاکٹر محمد امین کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے مطابق اسلام کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا اور سربراہِ مملکت کے لیے مسلمان ہونا لازمی شرط رکھی گئی جبکہ ملک میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کا قیام بھی عمل میں لایا گیا، اس کونسل نے ملک کو عملی طور پر اسلامی ریاست بنانے کے لیے متعدد سفارشات پیش کیں۔[۴۱] مزید یہ کہ ملک میں پہلے کبھی اس طرح تیزی کے ساتھ اسلامائزیشن پر توجہ نہ دی گئی لیکن ۱۹۷۳ء کے بعد ان اداروں نے تیزی سے کام کو آگے بڑھایا تاہم ان اداروں کی سفارشات پر خاطر خواہ عمل نہ ہوا اور ملک میں عوام کی توقعات پوری نہ ہو سکیں۔[۴۲]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کے نفاذ کے باوجود پاکستان میں اقلیت اور اکثریت کے درمیان سماجی امتیاز ختم نہیں ہوا۔ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان میں اقلیتوں کی آبادی بھی پہلے سے کہیں کم ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بھٹو اور ضیاء دور میں اسلامائزیشن کا عمل تیز ہوا جس کے نتیجے میں اقلیتوں کو قومی دھارے سے بڑی حد تک جدا کر دیا گیا۔ نیشنلائزیشن کے نام پر مسیحیوں سے ان کے اپنے ہی تعلیمی ادارے چھین لیے گئے جن میں

سے کئی ادارے ابھی تک واپس نہیں دیے گئے۔[۴۳] امتیازی قوانین کواقلیتوں کے خلاف ذاتی دشمنیوں کا انتقام لینے کے لیے استعمال کیا گیا اور پاکستان کے غیرمسلم شہریوں میں عدم تحفظ کے احساسات کو فروغ ملا۔

امتیازی قوانین، اسلامائزیشن اور اقلیتیں:

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے مذہبی اقلیتوں کو مساوی حقوق تفویض کیے لیکن جناح کی وفات کے بعد مذہبی اقلیتوں کو اکثریتی طبقے سے جدا کر دیا گیا اور مذہبی بنیادوں پر قوانین بنا کر اقلیت اور اکثریت کو علیحدہ کر دیاگیا۔ ان قوانین کو پہلے تو غیرمسلم شہریوں کے خلاف استعمال کیا گیالیکن بعد میں یہی قوانین مسلمانوں کے خلاف بھی استعمال میں لائے گئے۔ قیصر نے اقلیتوں کے مسائل زیرِ بحث لاتے ہوئے کہا ہے کہ امتیازی قوانین کی وجہ سے اقلیتیں سماجی و سیاسی حقوق سے محروم ہیں، جب تک توہین رسالت کے قوانین کو زیادہ شہرت حاصل نہیں تھی اس وقت تک پاکستان میں مسلمانوں اور غیرمسلموں میں تعلقات کی نوعیت دوستانہ تھی لیکن جیسے جیسے ان قوانین کو شدت کے ساتھ نافذ کرنے کی بات چلی، اقلیتوں کے لیے زندگی کے تمام شعبہ جات میں مسائل پیدا ہوتے گئے۔ان امتیازی قوانین سے صرف غیرمسلم ہی نہیں بلکہ متعدد مسلمان بھی متاثر ہوئے۔[۴۴] ولیم کاکہنا ہے کہ ضیاء الحق نے اسلامی حدود کو نافذ کیا تو اس کا اطلاق ملک کی اقلیتوں پر بھی کیا جس کی وجہ سے ان کے لیے مسائل میں اضافہ ہوا،بعد میں نواز شریف حکومت نے توہین رسالت کے جرم کی پاداش میں سزائے موت کی سزا مقرر کر دی اور ایک سال بعد ۱۹۹۱ء میں اسمبلی سے شریعت ایکٹ بھی منظور کروا لیا۔ اس ایکٹ کے اطلاق نے پاکستان کے مسیحیوں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا۔[۴۵]

اسلامائزیشن کے اس عمل سے پاکستانی معاشرے میں عدم رواداری اور تشدد کے رجحانات کوفروغ ملا۔ آئین میں غیرمسلم شہریوں کو تحفظ فراہم کرنے کے باوجود عملی طور پر انہیں مسائل کی دلدل میں دھکیل دیا گیاکیونکہ جب مذہب اور سیاست کو ملادیا جائے تو اس قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ سلیم کے مطابق ضیاء دور کی اسلامائزیشن کی سیاست کے باعث پاکستان کی اقلیتیں پہلے سے زیادہ غیرمحفوظ ہوگئیں جب توہین رسالت کی کم از کم سزا موت تجویز کی گئی۔ ۱۹۸۸ء کے بعد کے نئے جمہوری دور میں بھی ضیاء کی پالیسیوں کو جاری رکھا گیا۔ بےنظیر بھٹو نے اقلیتوں کے لیے دوہرے

ووٹ کی تجویز پیش کی جسے اراکین اسمبلی نے رَدکردیا۔ بعد ازاں نوازشریف کے دورِ حکومت میں ۱۹۹۱ء میں شریعت بل بھی منظور کرلیاگیا جس کے نتیجے میں غیر مسلموں کے لیے پاکستان میں مذہبی آزادی محدود ہوگئی۔[۴۶] ڈاکٹر محمد امین کے بقول ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۴ء پرمحیط عرصے میں ملک میں اسلامائزیشن کے عمل کو تیز کیا گیا۔ اس مقصد کے لیے جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں خصوصی ادارے قائم کیے گئے جن میں میں‌اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت، وفاقی کونسل، اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ، اسلامی یونیورسٹی، لاء کمیشن، وزارتِ مذہبی امور، منسٹری آف لاء اور انصاری کمیشن شامل ہیں۔[۴۷] ان اداروں نے نہایت مستعدی سے کام کیاجبکہ ماضی میں اسلامائزیشن کے حوالے سے اس قدرکام نہیں ہواتھا تاہم یہ ادارے کلی طورپر پاکستانی عوام کی خواہشات اور توقعات پر پورے نہ اتر سکے کیونکہ ان اداروں کی بہت ساری سفارشات پرعمل درآمد نہ ہوسکا اور مجموعی طور پر یہ ادارے مارشل لاء حکومت کی سرپرستی میں کام کرتے رہے تھے۔[۴۸] عملی اقدامات کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ۱۹۸۴ ء کے علماء کنونشن میں تقریباً انھی سفارشات کو دوہرایا گیا تھا جو ۱۹۸۰ ء کے علماء کنوینشن میں پیش کی گئی تھی البتہ ان سفارشات میں ایک چوتھائی سے بھی کم پرعمل در آمد ممکن ہو سکا۔[۴۹] امین کے بقول ضیاء الحق کی اسلامائزیشن کی پالیسی میں عوام اور علماء دونوں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا۔ سیاسی جماعتیں بھی اسلامائزیشن کے عمل میں کلی طور پر شامل نہ ہوسکیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ضیاء الحق کے اس عمل کی مخالفت میں پیش پیش رہیں۔ ۱۹۸۳ ء میں جب ایم۔آر۔ڈی نے ضیاء کے خلاف تحریک چلائی تو اس کے رہنماؤں نے ضیاء کی حکومت کو غیر اسلامی قرار دیتے ہوئے عوام کو کہا کہ وہ حکومت کو زکوٰۃ نہ دیں۔ مجموعی طورپر ضیاء حکومت کی اسلامائزیشن کی پالیسی انتہائی سست روی کا شکار رہی کیونکہ پارلیمینٹ کی غیر موجودگی میں سارے کے سارے فیصلے فردِ واحد کے فیصلے تھے جو عوامی تائید سے محروم تھے۔[۵۰]

ڈاکٹر سید جعفر احمد نے پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ امتیازات کے حوالے سے بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ پہلا امتیاز ملک کے دستور میں موجود ہے جس کے مطابق کوئی غیر مسلم ملک کاسربراہ نہیں بن سکتا۔ اس ضمن میں مصنف نے لکھاہے کہ 'جب ریاست اپنا ایک مذہب بھی مقرر کر لے تو پھر ا سکے لیے تمام شہریوں کو ایک آنکھ سے دیکھنے کی گنجائش کہاں باقی بچتی ہے'۔ دوسرا امتیاز

ملک میں نافذ کیے جانے والے قوانین میں موجود ہے جن کو استعمال کرتے ہوئے ریاست اقلیتوں کے ساتھ امتیازی رویوں کو تقویت دے رہی ہے۔ایسے لوگ جنہیں مذہب کے حوالے سے بنیادی معلومات بھی نہیں ہوتیں، توہینِ رسالت کے قوانین کو بے گناہ غیر مسلموں کے خلاف استعمال کر کے ان سے ذاتی انتقام لیتے ہیں۔احمد کے مطابق توہین رسالت کا قانون مقدس ہستیوں کی حرمت،عزت اور تقدس کو محفوظ رکھنے کے لیے بنایا گیاتھا لیکن ہمارے ملک میں اس قانون کو ہمیشہ غیر مسلموں کے خلاف دشمنیاں نبھانے کے لیے استعمال میں لایا جاتا ہے۔حسبہ بل اور حدود آرڈیننس کے باعث اقلیتی خواتین کی حیثیت دوسرے درجے کے شہریوں سے زیادہ نہیں۔ ہمارے معاشرے میں عام خواتین کے لیے بھی بے شمار مسائل موجود ہیں لیکن امتیازی قوانین کے باعث اقلیتی خواتین کوزیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ احمد کے مطابق حدود آرڈیننس کے تحت غیر مسلموں کے خلاف مسلمانوں کی گواہی تو معتبر تھی لیکن کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے خلاف گواہی دینے کا حق نہ تھا۔ قوانین اور دستور کی عدم مساوات کے باعث سماجی امتیازات از خود جنم لیتے ہیں۔ہمارے ہاں یہ امتیازاس قدرتشویشناک صورتحال اختیار کر چکا ہے کہ اقلیتی طبقے کے بے شمار افرادمحض اپنی جان کی اما ن پانے اورملازمت حاصل کرنے کے لیے مذہب تبدیل کرنے پر مجبور ہوئے۔[۵۱] سید عبدالخالق کا کہناہے کہ حدود آرڈیننس اور توہین رسالت کے قوانین کو لوگوں نے ذاتی دشمنیوں کا انتقام لینے کے لیے استعمال کیا۔[۵۲]

فادر فرانسس ندیم، حمید ہنری اور محبوب صدا نے پاکستان میں مسیحیوں پر امتیازی قوانین کے اثرات پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اقلیتوں کے لیے پاکستان میں زندگی کا دائرہ تنگ کیا جاتا رہا۔ مسیحیوں کے ساتھ سب سے بڑاظلم یہ ہوا ہے کہ پاکستانی قوانین مذہبی بنیادوں پر تیار کیے گئے ہیں اور مسیحیوں نے انھیں قبول کر رکھا ہے۔ توہین رسالت کے قوانین کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے بے گناہ اقلیتوں سے ذاتی دشمنیوں کا انتقام لیا گیا اور ان پر مختلف الزامات لگا کر ان کی جائیدادوں پر قبضے کیے گئے۔خاص طور پرآئین کی دفعہ ۲۹۵ سی کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں نے اپنی ذاتی دشمنیوں کا انتقام لیا۔ بھٹو اور ضیاء دونوں نے ایسے قوانین بنائے جن کی وجہ سے اقلیتوں کو آج تک سزا بھگتنا پڑ رہی ہے۔ ان امتیازی قوانین کے نفاذ نے مسیحیوں کو پاکستانی قوم سے علیحدہ کر دیا۔[۵۳] جارج پال نے امتیازی قوانین کے خاتمے کے لیے بشپ جان جوزف کی جانی قربانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا

ہے کہ بشپ جان جوزف نے آئین کی دفعہ ۲۹۵ بی اور۲۹۵ سی کے خلاف آواز بلند کی اور منظور مسیح کی شہادت پر اس کے پاؤں چومے اور یہ اعلان کیا کہ آئندہ اگر کسی کواس قانون کے تحت سزاہوئی تو میں سب سے پہلے اپنی جان کی قربانی دوں گا۔ کچھ ہی عرصے بعد جب عدالت نے ایک اور بے گناہ عیسائی ایوب مسیح کو سزائے موت کا فیصلہ سُنایا تو بشپ جان جوزف نے اس کے احتجاج میں عدالت کے احاطے میں خود کوگولی مارکر جان دے دی۔[۵۴] سلیم کے مطابق یہ وہی ایوب مسیح تھا جس نے میٹرک کی اسلامیات میں ۷۵ نمبر حاصل کیے تھے۔[۵۵]

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوتا ہے کہ پاکستان میں طویل عرصہ سے اسلامائزیشن کا عمل جاری ہے۔ اگرچہ ملک کے دستور میں اقلیتوں کے لیے اکثریتی طبقے کے برابر حقوق تفویض کیے گئے ہیں لیکن کچھ قوانین ایسے بھی ہیں جن کے نفاذ سے دستور میں دیے گئے غیرمسلم شہریوں کے حقوق از خود ختم ہو جاتے ہیں۔ ملک میں بنائے جانے والے اسلامی قوانین کے نفاذ کے باوجود نہ تو ملک میں مکمل اسلامی نظام قائم ہو سکا اور نہ ہی غیرمسلم شہریوں کو آزادانہ زندگی بسر کرنے کا حق مل سکا۔ پاکستان میں بنائے گئے امتیازی قوانین سے نہ صرف غیرمسلم بلکہ متعدد مسلم شہری بھی متاثر ہوئے ہیں۔ خاص طور پرعوام نے قوانین کو اپنے ہاتھ میں لے کر جرم ثابت ہوئے بغیر ہی سزائیں دینے کا عمل جاری رکھا اورتوہین مذہب کے قوانین کا غلط استعمال کیا کیونکہ اگر کسی شخص پر لگایا گیا الزام درست ثابت ہو بھی جائے تو بہر حال جرم کی سزا دینا عدالتوں کا کام ہے نہ کہ افراد کا۔ پاکستان میں اسلامی قوانین کو زیادہ تر ذاتی دشمنیوں کا انتقام لینے کے لیے ہی استعمال کیا گیا،پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سالانہ رپورٹوں کے مطابق بعض اقلیتی آبادیوں میں توشر پسند عناصر نے توہین مذہب کے نام پر بڑے پیمانے پر تباہی پھیلا کرغم و غصے کا اظہار کیا لیکن ان کا اصل مقصد اقلیتی بستیاں خالی کروانا اور ان کی جائیدادوں پر قبضہ کرنا تھا۔

سفارشات:

۱۔ ملک کے دستور اور قوانین میں اقلیتوں کو بھی دیگرشہریوں کے مساوی انسانی حقوق کی ضمانت دی گئی ہے لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ غیرمسلم شہریوں سے کی جانے والی زیادتیوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے تاکہ مستقبل میں ان کے حقوق پر شب خون

نہ مارا جا سکے۔

۲۔ جو تعصب اور سماجی امتیاز مسلمانوں کی طرف سے غیر مسلموں کے لیے شروع ہوا تھا آج خود مسلمانوں میں بھی تیزی سے پھیل رہا ہے جس کی وجہ سے نسلی، لسانی،سیاسی اور صوبائی بنیادوں پر پاکستانی عوام نے خود کو تقسیم کرنے کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع کر رکھا ہے جسے روکنے میں حکومت اور سیاسی جماعتیں لاچار نظر آتی ہیں۔اس ضمن میں سول سوسائٹی کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کرے۔

۳۔ قدیم اقلیتی عبادت گاہیں ہماری تاریخ و ثقافت کا قیمتی اثاثہ ہیں لیکن اکثریتی طبقے کے مخصوص ٹولوں اور بااثر افراد کی جانب سے سکھوں کی متعددعبادت گاہوں پر (خصوصاً کراچی جیسے شہر میں بھی)قبضہ کر کے انہیں گوداموں میں تبدیل کیا جا چکا ہے یا انہیں دیگر ذاتی مقاصد کے لیے استعمال میں لایا جارہاہے۔ یہ قومی تہذیب پر کاری ضرب بھی ہے اور اقلیتوں کی حق تلفی بھی، تاہم اس ضمن میں سیاسی تنظیموں، سول سوسائٹی اور خود اقلیتی رہنماؤں کی خاموشی پریشان کن ہے۔ حکومتی سطح پر ایک ایسا ادارہ تشکیل دیئے جانے کی ضرورت ہے جس کا مقصد قدیم اقلیتی عبادت گاہوں کا تحفظ ہو، اس ادارے میں تمام مذہبی اقلیتوں کے مذہبی و سیاسی نمائندے شامل کیے جائیں۔

۴۔ اسلامی ریاست میں اقلیتی عبادت گاہوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ریاست پر عائد ہوتی ہے اور پاکستان جیسے جمہوری ملک میں ریاست اور عوام دونوں کی ذمہ داری ہے کہ اقلیتی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے اور ان کے تقدس کا خیال رکھا جائے۔

حوالہ جات

1. Census 1998, *Population by Religion*, Islamabad: Government of Pakistan, Statistics Division, Population Census Organization, 2004, p. v.

۲- رئیس احمد جعفری، *خطبات قائد اعظم*، لاہور: شعاع ادب،۱۹۶۱ء۔ص ۶۳۶۔

۳- جنید قیصر، *'پاکستانی اقلیتوں کا نوحہ'*، لاہور: فکشن ہاؤس،۲۰۰۷ء۔ص ص ۱۷۔۱۵۔

۴- زوار حسین زیدی، *ارشادات قائد اعظم*،اسلام آباد: قائداعظم اکیڈمی، ۲۰۰۷ء۔ص ۸۷۔

۵- محمود عاصم (مرتب)، *'افکار قائد اعظم'*، لاہور: مکتبہ عالیہ،۱۹۷۶ء۔ص ۳۵۸۔

۶- جارج پال، *میں بھی پاکستان ہوں*، لاہور: ہیومن فرینڈز آرگنائزیشن پاکستان،۲۰۰۷ء۔ص ص ۸۶۔۸۳۔

۷- سید جعفر احمد، 'پاکستان کے غیر مسلم شہری : سیاسی جماعتوں کا کردار اور ذمہ داریاں'، لاہور: پیکفرل، ۲۰۰۸ء۔ ص ص ۲۶۔۲۴۔

۸- احمد سلیم، 'پاکستان اور اقلیتیں'، کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۰ء۔ ص ص ۱۰۰۔ ۹۷۔

۹- انوار سید، 'قائد کی سوچ'، روزنامہ 'ڈان'، ۲۵ دسمبر ۲۰۰۵ء۔ ص ۷۔

۱۰- غیر مسلم شہریوں سے جزیہ اس صورت میں لیا جاتا ہے جب جنگ کے نتیجے میں مسلمان غالب آ جائیں اور فتح کے بعد غیر مسلموں کا تحفظ اپنے ذمہ لیں۔ اس طرح اسلامی ریاست میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا خون اور دیت برابر ہو جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، مولانا رئیس احمد جعفری، 'اسلامی جمہوریت'، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۶۸ء۔ ص ص ۹۶۔۲۹۵ ر اور ص ۳۱۷۔

۱۱- روزنامہ 'جنگ'، لاہور: ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء۔ ص ۳۔

۱۲- احمد سلیم، 'پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ص ۱۵۔۱۰۸۔

۱۳- دیکھیں احمد سلیم، 'پاکستان میں مخلوط اور جداگانہ انتخابات کی سیاست'، اسلام آباد : دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔ ص ص ۵۔۴۷، اور ڈاکٹر سید جعفر احمد، 'پاکستان کے غیر مسلم شہری: سیاسی جماعتوں کا کردار اور ذمہ داریاں'، محولہ بالا، ص ص ۲۶۔۲۴۔

۱۴- سلامت اختر، 'تحریک پاکستان کے گمنام کردار'، راولپنڈی : کرسچین سٹڈی سنٹر، ۱۹۹۷۔ ص ۲۶۔

۱۵- دیکھیں سلامت اختر، 'تحریکِ پاکستان کے گمنام کردار'، محولہ بالا، ص ص ۹۳۔۸۲۔ اور اختر حسین بلوچ، 'سندھ میں شیڈول کاسٹ سے متعلق سروے'، کراچی: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، ۲۰۰۵۔ ص ۱۔

۱۶- چوہدری محمد علی، 'ظہور پاکستان'، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۸۹ء۔ ص ۴۳۹۔

۱۷- جنید قیصر، محولہ بالا، ص ص ۲۱۔۱۸۔

۱۸- روزنامہ 'جنگ'، لاہور، ۹ مارچ ص ۱۔

۱۹- ایضاً۔

۲۰- روزنامہ 'زمیندار'، لاہور، ۱۷ مارچ ص ۲۔

۲۱- روزنامہ 'جنگ'، لاہور، ۱۳ مارچ ۱۹۴۹ء۔ ص ۵۔

۲۲- آفتاب الیگزنڈر مغل، 'سیاست'، مشمولہ، حمید ہنری (مدیر)، 'قومی مسیحی مشاہیر'، محولہ بالا، ص ص ۶۵۔۱۶۴۔

۲۳- روزنامہ 'جنگ'، لاہور، ۹ مارچ ۱۹۴۹ء، ص ۲۔

۲۴- روزنامہ 'جنگ'، لاہور، ۸ مارچ ۱۹۴۹ء، ص ۴۔

۲۵- آئین ٹالبوٹ، 'تاریخ پاکستان ۱۹۹۷ء۔ ۱۹۴۷ء' (ترجمہ : طاہر منصور فاروقی)، لاہور: تخلیقات، ۲۰۰۵ء۔ ص ۲۲۰

۲۶- احمد سلیم، 'پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ص ۶۸۔۱۵۸۔

۲۷- دیکھیں جنید قیصر، محولہ بالا، ص ۱۸، اور فادر فرانسس ندیم، 'پاکستانی مسیحی اور اکیسویں صدی'، مشمولہ، فادر فرانسس ندیم (مدیر)، 'یہ دیس ہمارا ہے'، محولہ بالا، ص ص ۳۸۔۳۳۷، اور آفتاب الیگزنڈر مغل، 'سیاست'، مشمولہ، حمید ہنری (مدیر)، 'قومی مسیحی مشاہیر'، محولہ بالا ص ص ۶۵۔۱۶۴۔

۲۸- آفتاب الیگزنڈر مغل، 'سیاست'، مشمولہ، حمید ہنری (مدیر)، 'قومی مسیحی مشاہیر'، محولہ بالا، ص ص ۶۵۔۱۶۴۔

29. Muhammad Amin. *Islamization of laws in Pakistan*, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1989. pp. 34-40.

۳۰- احمد سلیم، 'پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ص ۷۱۔۱۶۹۔

۳۱ - ۲۸ ستمبر ۱۹۵۰ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے عبوری رپورٹ پیش کی جسے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ بعد ازاں ۲۲ ستمبر ۱۹۵۲ء کو بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اپنی جامع رپورٹ پیش کی جسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

۳۲- احمد سلیم، 'پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ص۱۴-۲۰۷ ۔

33. Muhammad Amin, *op. cit.*, pp 34-40.

۳۴- احمد سلیم،' پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ص۲۳-۲۲۱ ۔

35. Muhammad Amin, *op. cit.*, pp. 43-44

۳۶- صدر او روزیراعظم کے لیے حلف کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔'میں۔۔۔۔صدق دل سے حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں اور قادر مطلق کی توحید، اللہ تعالیٰ کے صحیفوں، قرآن کریم جو ان صحیفوں میں آخری کتاب اللہ ہے، محمد صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کی نبوت اور ان کے نبی آخر الزمان ہونے اور ان کے بعد کسی اور نبی کے نہ ہونے، روزِ حساب اور قرآن کریم و سنت کی تمام تعلیمات و مقتصیات (شرائط) پر مکمل ایمان رکھتا ہوں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں، آئین پاکستان کا شیڈول نمبر۳، آرٹیکل ۴۲ راور ۹۱(۳) ۔

۳۷- ڈاکٹر سید جعفر احمد، محولہ بالا، ص ص ۳۰-۲۹۔

۳۸- احمد سلیم،'پاکستان میں مخلوط اور جداگانہ انتخابات کی سیاست'، محولہ بالا، ص ص۵۰-۱۴۶ ۔

۳۹- جاوید ولیم،' کلیسائے پاکستان کی مختصر تاریخ'، مشمولہ،فادر فرانسس ندیم(مدیر)،'یہ دیس ہمارا ہے'، محولہ بالا، ص ۱۲۰

۴۰- محبوب صدا، 'پاکستان میں مسیحی ہونا'، مشمولہ،ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)، 'رسالت کے افق'، محولہ بالا،ص ص۹۱-۸۹۔

41. Muhammad Amin, *op. cit.*, pp. 46-48

42. *Ibid.*, pp. 114-15

۴۳- مسیحیوں کے کئی ادارے حکومت نے ابھی تک نہیں لوٹائے،حالانکہ مسیحیوں کی جانب سے ان کی قیمت بھی کافی عرصہ پہلے حکومت کو ادا کی جاچکی ہے۔

۴۴- جنید قیصر، محولہ بالا،ص ص ۳۱-۳۰۔

۴۵- جاوید ولیم، محولہ بالا، ص ۱۲۰۔

۴۶- احمد سلیم،' پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ص ۸۵-۲۵۷۔

47. Muhammad Amin, *op. cit.*, p. 63

48. *Ibid.*, pp.114-15

49. *Ibid.*, pp.125-36

50. *Ibid.*, pp.154-56

۵۱- ڈاکٹر سید جعفر احمد، محولہ بالا،ص ص۳۶-۳۰۔

52. Syed Abdul Khaliq, *op. cit.*, .pp.4-6.

۵۳- دیکھیں محبوب صدا، 'پاکستان میں مسیحی ہونا'،مشمولہ، ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)،' رسالت کے افق'، محولہ بالا، ص ص ۹۱-۸۹ اور حمید ہنری،' پاکستان میں کلیسائی مشن'، مشمولہ، ذکیہ طارق، فادر عمانوئیل عاصی، (مرتب)،' رسالت کے افق'، محولہ بالا ص ص۲۰-۱۱۸ ر اور فاد رفرانسس ندیم، 'پاکستانی مسیحی اور اکیسویں صدی'، مشمولہ، فادر فرانسس ندیم(مدیر)،'یہ دیس ہمارا ہے'، محولہ بالا، ص ص ۴۲-۳۳۹۔

۵۴- جارج پال، محولہ بالا،ص ۱۹-۱۱۸۔

۵۵- احمد سلیم،' پاکستان اور اقلیتیں'، محولہ بالا، ص ۱۲-۳۱۱۔